ڈاکٹر تبسم کاشمیری،وزیٹنگ پروفیسر اردو،
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،لاہور

میرا جی کی تلاش میں

Dr Tabassum Kasmiri,
Visiting Professor Urdu, Govt College University, Lahore

In search of Mira Ji

Mira ji is the most outstanding poet and critic of modern urdu poetry. He also appeared as a legendry figure, his way of life, strange habits,appearance and alkohalism has contributed a lot in the life formation of his personality. Much has been written about Miraji such writing represent him as a confused perplexed and a complicated poet who is known for his poetry of sex. This paper has tried to find out the truth of his personality and poetry . The paper has also focused on the phase of his poetry which is very different as compared to his early poetry.

۲۰مارچ ۱۹۳۲ء کا دن۔ میرا جی کی زندگی میں از بس اہمیت کا حامل دن تھا کہ اس روز وہ میرا سین کے عشق میں گرفتار ہوا اور مستقل طور پر اس کی 'سروس' میں آ گیا۔ اس روز کسی ساعت میں میرا جی نے میرا سین کے عقب میں چلتے چلتے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' میرا سین نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی نامختتم نارسائی اور دوری مقدر بن گئی۔ وہ یونیورسٹی گرائونڈ کے ایک گوشے میں بیٹھ کر میرا سین کو تکتا رہتا تھا۔ جین مندر کے ساتھ ایک عمارت کی بالائی منزل پر میرا سین اپنی رنگین ساڑیاں دھو کر الگنی پر ڈالتی تھی اور میرا جی دور بیٹھا ہوا پر اشتیاق نگاہوں سے اسے دیکھتا رہتا تھا۔ ایف سی کالج میں پڑھنے والی سانولے رنگ کی خوب رو بنگالی لڑکی کچھ مدت تک نظر آتی رہی اور پھر ایک روز وہ خاندان کے ساتھ ریلوے سٹیشن کو گئی اور بنگال جانے والی گاڑی پر سوار ہو گئی۔ میرا جی کی نارسائی مستقل ہوئی۔ ایک مستقل دوری اور محرومی غالب آتی گئی:

ترا دل دھڑکتا رہے گا

مرا دل دھڑکتا رہے گا

مگر دور دور!

زمیں پر سہانے سمے آ کے جاتے رہیں گے

یونہی دور دور!

ستارے چمکتے رہیں گے

یونہی دور دور!

ہر اک شے رہے گی

یونہی دور دور!

میں نے میرا سین کا تذکرہ اپنے نوجوان دوستوں کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے۔ میرا موضوع میرا سین نہیں ہے۔ میں تو آج میرا جی کو دریافت کرنے کے لیے نکلا ہوں اور یہ کام کٹھن ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے دوستوں نے میرا جی کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے، اس لیے میرا جی کو ڈھونڈنا، دریافت کرنا آسان نہیں رہا ہے۔ ان کے اتنے روپ بہروپ بنا دیے گئے ہیں کہ ہم ہر روپ کو دیکھ کر یہ سوال کرنے لگتے ہیں۔ کیا یہ میرا جی ہے؟ مثلاً ان کے ایک دوست نے لکھا ہے:

"جب میرا جی اپنی دانست میں سمجھ لیتے کہ تخلیہ ہو گیا تو اپنے گلے میں ڈالی ہندوانی مالائیں گریبان سے نکال کر ان مالاؤں کے ایک ایک دانے پر میرا امیرا پڑھتے اور بالکل اس آسن میں ہو بیٹھتے جس طرح سادھو گیان دھیان میں بیٹھتے ہیں۔ کبھی کبھی میرا بائی کے بھجن بھی گاتے تھے۔ ان کا مطالعہ مذہبیات، جنسیات اور نفسیات پر بے پناہ تھا۔(۱)

کیا ہم سمجھ لیں کہ میرا جی یہی تھا؟ ہم اس پر لکھے گئے خاکوں میں یہ بھی پڑھتے ہیں:

"میرا جی ہر نظم شروع کرنے سے پہلے کاغذ پر دیوناگری رسم الخط میں 'اوم' لکھتے۔ ایک طرف تو انہیں 'اوم' سے کھچ ایسی عقیدت تھی کہ اپنے دست خط بھی 'اوم' لکھے بغیر نہ کرتے تھے اور دوسری طرف یہ عالم بھی دیکھنے میں آتا کہ قاری زاہر القاسمی سے بالکل تخلیہ میں قرآن شریف سنتے اور روتے۔(۲)

ایک اور روایت یہ کہتی ہے کہ وہ قرآن سنتے ہوئے بے ہوش بھی ہو جایا کرتے تھے۔

کیا ہم سمجھ لیں کہ میرا جی یہ تھا؟ اگر وہ یہی تھا تو پھر وہ دارالشکوہ کے فلسفہ کے بہت قریب تھا۔ وہ وحدت ادیان پر یقین رکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ سب مذاہب بالآخر حقیقت اولیٰ ہی کی طرف جاتے ہیں۔ اس کے دل میں روحانیت کی بنیادی روح موجود تھی۔ اس لیے اسے باطنی تحریک اسلام سے ملتی یا ہندومت سے، اس کی روح متاثر ہوئے بغیر نہ رہی سکتی تھی۔ وہ بہ یک وقت بے حد آزاد خیال اور رند مزاج انسان تھا اور اس کے ساتھ ساتھ باطنی روشنی

میرے پاس ایک دلچسپ کہانی بھی موجود ہے۔ یوسف ظفر میرا جی کے دوست تھے۔ میرا جی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ حج کرنے گئے ہوئے تھے۔ ایک روز انھوں نے خانہ کعبہ میں دیکھا کہ میرا جی کھڑا ہے اور یہ کہ رہا ہے کہ تم میرے لیے دعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ خواب نہیں بیداری کا ایک منظر تھا۔ یوسف ظفر یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔ ان کے لب پر ایک ہی سوال تھا میرا جی یہاں کیسے؟ وہ اس منظر کی تعبیر تو نہ کر سکے مگر ان کے ذہن میں یہ سوالیہ نشان لٹک کر رہ گیا۔ اس واقعہ کو مدت بیت گئی ایک روز اچانک کتاب یاداشت کے ایک ورق پر ایک نوٹ پڑھنے کو مل گیا۔ ایک بار میرا جی بیئر کے نشہ میں تھا۔ احباب کی گفت گو میں رسول پاکؐ کا نام مبارک آ گیا۔ میرا جی اس مکالمہ میں شریک نہ ہو سکا۔ اس واقعہ کے گزر جانے کے بعد جب ایک دوست نے اس مجلسی مکالمہ میں میرا جی کی وجہ خاموشی دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ اتنا مقدس نام نشے کی حالت میں میری ناپاک زبان پر کیوں کر آ سکتا تھا۔ یوسف ظفر نے اپنی کتاب یاداشت سے مسئلہ کا ٹھیک جواب پڑھ لیا تھا۔

ذرا ٹھہریے میرا جی کا ایک اور امیج دیکھتے جایئے۔ میرا جی کے پاس تین گولے ہوتے تھے۔ ایک بار ایک گولہ کہیں ادھر ادھر ہو گیا۔ میرا جی نے گولے کے صدمے سے ایک گلاس اٹھایا، منہ پر دے مارا اور چہرہ لہولہان کر لیا۔ اس کے بعد ان پر خودکشی کا بھوت طاری ہو گیا۔ ایسی حالتوں میں وہ سر دیواروں سے ٹکراتے اور خودکشی کرنے پر تل جاتے تھے۔(۳)

اب وہ مقام آ گیا ہے کہ جب ہم میرا جی کی بہت سی معروف افسانوی شکلیں دیکھنے کے بعد اس بات کی خواہش لیے ہوئے ہیں کہ ہم میرا جی سے ملاقات کر سکیں۔ میرا جی جو انتہائی زرخیز نظریہ ساز اور عہد ساز شاعر تھا۔ جو سوچتا تھا۔ حیات و کائنات کو سمجھنے میں کوشاں رہتا تھا۔ فلسفیانہ ذہن کا حامل تھا۔ انسان اور انسانی مسائل سے محبت کرتا تھا۔ وہ شعر و ادب کی نئی تعبیریں پیش کرتا تھا اور نظریہ شعر کی نئی تشکیل میں سرگرم رہتا تھا اور بالآخر

اس نے وہ نئی تشکیل اپنے عہد کو پیش کر دی تھی۔ وہ حیات وکائنات کو کس طرح سے دیکھتا تھا میں اس کا ایک منظر اس کے ایک خط سے آپ کو دکھانا چاہتا ہوں:

گوہر!(جو بندھ گیا سو موتی ہے)

وہ ایک دن کی بات ہے میں ریڈو اسٹیشن پر گیا، محمود حسب معمول میں ایک منٹ میں آیا کہ کر اسٹوڈیو کی طرف چل دیا، میرے ذہن میں پر براندابن کے اثرات تھے اس لیے بھی اور یوں بھی کہ رستے میں آتے آتے ایک گیت لکھ چکا تھا اب سوائے سوچنے کے اور کوئی ذریعہ مصروفیت کا نہ تھا، سوچنے لگا، سامنے پیڑوں کے اوپر پھیلا ہوا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ ذہنی پس منظر میں اس وقت ایک دھند میں لپٹے ہوئے تین شہروں کے خیال تھے، کلکتہ، لاہور اور دہلی، ان خیالوں کے سائے میں ذہن ۱۶ اکتوبر کو ہونے والی تقریر (نئی شاعری کی بنیادیں) کے لیے نکات سوچنے لگا۔ ایک، دو، تین سے کچھ باتیں سوجھیں، ان کے نوٹس لیے۔ اتنے میں دل ذہن پر حاوی ہونے لگا، تخیل کی موج ایک اور ہی جانب چل نکلی... زمین کے اوپر یہ پیڑ ہے اور پیڑ کے اوپر یہ کھلا آسمان، جس میں سب چیزیں سما سکتی ہیں۔ جنگ کرنے والوں کے ہوائی جہاز... اور مرنے والوں کی روحیں، اس کھلے آسمان میں، ہر چیز اڑ سکتی ہے، زندگی میں... ہست کی اضطراری کیفیت... میں ہر وہ چیز جس پر دباؤ پڑا ہوا اس کھلے آسمان میں... سبک دوش ہو کر، ایک لامتناہی عمل کے گھیرے میں تیر سکتی ہے، گھیرا اس لیے کہ ہست کی طرح نیست بھی محدود ہے کیونکہ نیست سے آگے کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، مختلف گھیروں کا یہ سفر جب ایک نقطے پر جا کر ختم ہو جاتا ہے جس کے آس پاس صرف ایک ہی دائرہ ہے تو دائرہ بھی ایک نقطہ بن کر رہ جاتا ہے اور اس نقطے پر پہنچ کر صرف یادیں ہی ایک سہارا ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ سانس کے دھندلکے کا احساس مٹا دینے والا سہارا... لیکن سوچ یہ آتی ہے کہ ہم پیڑ ہی کو ایک نقطہ کیوں نہیں بنا لیتے۔

لاہور کی زندگی چھوڑیے رات گئی بات گئی... لیکن بات تب جاتی ہے کہ صرف یہی

کہ کر اسٹوڈیو کی طرف چل دیا، میرے ذہن میں پر براندابن کے اثرات تھے اس لیے بھی اور یوں بھی کہ رستے میں آتے آتے ایک گیت لکھ چکا تھا اب سوائے سوچنے کے اور کوئی ذریعہ مصروفیت کا نہ تھا، سوچنے لگا، سامنے پیڑوں کے اوپر پھیلا ہوا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ ذہنی پس منظر میں اس وقت ایک دھند میں لپٹے ہوئے تین شہروں کے خیال تھے، کلکتہ، لاہور اور دہلی، ان خیالوں کے سائے میں ذہن ۱۶ اکتوبر کو ہونے والی تقریر (نئی شاعری کی بنیادیں) کے لیے نکات سوچنے لگا۔ ایک، دو، تین سے کچھ باتیں سوجھیں، ان کے نوٹس لیے۔ اتنے

میں دل ذہن پر حاوی ہونے لگا، تخیل کی موج ایک اور ہی جانب چل نکلی... زمین کے اوپر یہ پیڑ ہے اور پیڑ کے اوپر یہ کھلا آسمان، جس میں سب چیزیں سما سکتی ہیں۔ جنگ کرنے والوں کے ہوائی جہاز... اور مرنے والوں کی روحیں، اس کھلے آسمان میں، ہر چیز اڑ سکتی ہے، زندگی میں... ہست کی اضطراری کیفیت... میں ہر وہ چیز جس پر دباؤ پڑا ہوا اس کھلے آسمان میں... سبک دوش ہو کر، ایک لامتناہی عمل کے گھیرے میں تیر سکتی ہے، گھیرا اس لیے کہ ہست کی طرح نیست بھی محدود ہے کیونکہ نیست سے آگے کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، مختلف گھیروں کا یہ سفر جب ایک نقطے پر جا کر ختم ہو جاتا ہے جس کے آس پاس صرف ایک ہی دائرہ ہے تو دائرہ بھی ایک نقطہ بن کر رہ جاتا ہے اور اس نقطے پر پہنچ کر صرف یادیں ہی ایک سہارا ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ سانس کے دھندلکے کا احساس مٹا دینے والا سہارا... لیکن سوچ یہ آتی ہے کہ ہم پیڑ ہی کو ایک نقطہ کیوں نہیں بنا لیتے۔

لاہور کی زندگی چھوڑیے رات گئی بات گئی... لیکن بات تب جاتی ہے کہ صرف یہی خیال آتا، ''اب جیون اور ہے اور جنم اب جوت نئی''... زندگی کو متوازن رکھنے کے لیے ذہن اور جسم کو جو تگ و دو کرنا پڑتی تھی وہ اگر اس نئے ماحول میں بھی پہلے ہی کی طرح موجود نہ ہوتی تو شاید میں سمجھتا کہ اب ہر سانس پر راہ ٹکنا مٹ چکا، اب ایک ابدی آخری انتظار ہے۔

یہاں کا ریڈیو اسٹیشن عجب... قسم کا انسان ہے لیکن انسان غلطی سے کہ دیا، انسان میں حرکت ہوتی ہے، زندگی کی ابلتی ہوئی حرکت، یہاں صرف اینٹ پتھر کی سی جامد کیفیت ہے، بے حسی، ہمیں اپنے کام سے کام، چھٹکل کام اب تک کافی مل چکا ہے اور ملتا جائے گا تاوقت یہ کہ کوئی مستقل صورت بن جائے اور وہ بھی ذرا سی کوشش سے بن جائے گی، کم سے کم خیال یہی ہے...

کیا بات ہے حلقہ ارباب ذوق کی! حلقہ ارباب ذوق کی جے! دلی میں بھی حلقے کی شاخ قائم ہوا چاہتی ہے۔ اختر الایمان (آج کل یہاں آ گیا ہے) راشد اور میں، ہم تینوں نے مل کر امکانی ارکان کی فہرست بنائی ہے (۴)

اس اقتباس کو پڑھ کر میں سوچتا ہوں میرا جی سے ہماری ملاقات ہو گئی ہے۔ یہاں ہم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو از بس زرخیز ذہن کا مالک ہے وہ نہایت تیز متخیلہ کا مالک ہے اور جس کا کاسمک وژن پوری کائنات کو گرفت میں لے سکتا ہے۔ بہت صاف ستھری نفسیات کا حامل ہے اور کائنات کو فلسفیانہ انداز سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میرا جی کی شخصیت کے اس پہلو کو بہت شہرت ملی ہے جس کا تعلق جنس سے ہے۔ میرا جی کی شاعری میں جنس کو آلودگی کا استعارہ بنایا گیا اور اسے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ آیئے میرا جی کو ڈھونڈنے کے لیے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ جنس کے بارے میں وہ خود کیا کہتا ہے:

"بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کا محض جنسی پہلو ہی میری توجہ کا واحد مرکز ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جنسی فعل اور اس کے متعلقات کو میں قدرت کی بڑی نعمت اور زندگی کی سب سے بڑی راحت اور برکت سمجھتا ہوں اور جنس کے گرد جو آلودگی تہذیب و تمدن نے جمع کر رکھی ہے وہ مجھے ناگوار گزرتی ہے۔ اس لیے رد عمل کے طور پر دنیا کی ہر بات کو جنس کے اس تصور کے آئینے میں دیکھتا ہوں جو فطرت کے عین مطابق ہے اور... جو مرا آدرش ہے۔(۵)

میرا جی اردو کا وہ دلیر شاعر تھا جس نے جنس کے موضوع پر شاعری کی۔ سوسائٹی، سماج اور اخلاقیات سے خوف زدہ شاعروں میں اتنی جرات ہی کہاں تھی۔ دبے دبے، بند بند ماحول میں کوئی شاعر صرف استعارے یا کنایے ہی میں بات کر سکتا تھا۔ اس سے آگے بڑھنا اس کے بس ہی میں نہ تھا۔ یہ میرا جی ہی تھا

جس نے پہلی بار جنس اور محبت کی شاعری عطا کی۔ جنس میرا جی ہی کا آدرش نہیں تھا جنس سے والہانہ محبت جو سرشاری کی طرف بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ ابن عربی کے ہاں بھی موجود ہے۔ وہ جنسی عمل کو "وصالِ عظیم" سے تعبیر کرتا ہے۔

جنس کی بات کو ہم یہیں پر چھوڑتے ہیں ہم میرا جی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ شہری تہذیب و تمدن کی آلودگی سے دور فطرت سے مکالمہ کرتے ہوئے میرا جی سے ملیے:

"میرا جی کو چاندنی رات سے محبت تھی۔ پونم کو وہ ہمیشہ اندھیری (بمبئی) کے ساحل پر جایا کرتا تھا جہاں ناریل کے لمبے اور گھنے جھنڈ چڑھتے ہوئے سمندر کے خوف ناک اور یکساں شور میں بہت ڈرائونے اور پر اسرار معلوم ہوتے تھے۔ میرا جی ان جھنڈوں سے پرے پانی کے قریب ٹھنڈی اور بھیگی ہوئی ریت پر لیٹ جاتا تھا اور ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ اس کے سر پر ریت ڈالیں۔ چنانچہ اس کے گھنے بال ریت کا ڈھیر ہو جاتے تھے اور وہ اسی طرح چپ چاپ گھنٹوں پڑا رہتا تھا۔ پھر دفعتاً بال جھٹک کر کھڑا ہو جاتا اور گھر واپس آجاتا۔(۶)

میں میرا جی کی تلاش میں نکلا تھا۔ یہ سفر بہت لمبا ہے اور سیمینار کا وقت مختصر... میں اس تلاش کو فی الحال ناتمام چھوڑتا ہوں اور میرا جی کے بارے میں کچھ اور باتیں کرتا ہوں۔

اب کچھ باتیں میرا جی کی تعبیر اور کلام کی اشاعت کے بارے میں۔

میرا جی کی شعری تعبیر میں المیہ یہ ہوا کہ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''میرا جی کی نظمیں'' ۱۹۴۴ء میں شایع ہوا تھا۔ اٹھاون نظموں پر مشتمل یہ مجموعہ طویل مدت تک میرا جی کی نمائندگی کرتا رہا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند سے پیدا ہونے والے بحران کے باعث ان کی نئی نظموں کی اشاعت بہت محدود ہو گئی تھی۔ وہ اپنے نئے شعری مجموعے باقاعدگی سے مرتب تو کرتا رہا مگر نامساعد حالات کے سبب بروقت شایع نہ ہو سکے۔ تقسیم ہند کے بعد آنے والی نسلوں کے لیے میرا جی کی میراث صرف ''میرا جی کی نظمیں'' ہی رہیں۔ میں نے خود ۱۹۶۴ء میں جب ایم اے کا مقالہ ''جدید اردو شاعری میں علامت نگاری'' لکھا تو اس کا ایک مفصل باب میرا جی کی علامتوں پر تھا۔ میری تنقید کا محو ''میرا جی کی نظمیں'' کے ارد گرد گھومتا رہا، کیوں کہ میرے لیے ایک قوت میرا جی کی کل کائنات یہی تھی۔ یہ المیہ صرف میرا ہی نہیں تھا، آنے والی نسلوں کا بھی تھا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ہمارے نقادوں میں بیش تر نقاد ایسے تھے جو میرا جی کو جنسی علامت سمجھ کر تنقید لکھتے رہے۔ اس تنقید میں لذت تو تھی مگر وژن نام کی کوئی شے نہ تھی۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ میرا جی جنسی شاعری کے مترادف سمجھا جانے لگا تھا۔ اس دور کا حاصل یہی کچھ تھا۔

۱۹۶۸ء میں میرا جی کے احباب کے تعاون سے میرا جی کے دو مجموعے ''پابند نظمیں'' اور ''تین رنگ'' راولپنڈی سے شائع ہوئے تو میرا کی شاعری کے کچھ ایسے افق نظر آئے جو اب تک ان مجموعوں میں بند رہے تھے۔ ان مجموعوں کو دیکھ کر میرا جی کی شاعری میں پہلی بار ہیئت، شعری تجربے، تکنیک اور حیات و کائنات کو بدلتے ہوئے تناظر میں دیکھنے کا موقع پیدا ہوا تھا۔ ان نظموں اور بعد ازاں ''سہ آتشہ'' کی اشاعت سے واقعتاً ایک نیا موقع حاصل ہوا تھا مگر ''میرا جی کی نظمیں'' پڑھنے والا ذہن اس طرف مائل ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ پھر ''کلیات میرا جی'' کی اشاعت کے باوجود میرا جی کی بننے والی کلیت کی تعبیر نہ کی گئی۔ آج جب ہم میرا جی صد سالہ تقریبات منا رہے ہیں تو مجھے شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں ''میرا جی کی نظمیں'' میں بند کیے گئے میرا جی کو اس قید سے رہائی دلوانے کی ضرورت ہے اور میرا جی کی ان نظموں کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جن میں ایک نیا میرا جی نمودار ہوا تھا جو جنس، نارسائی اور دوری کو ماضی میں چھوڑ آیا تھا اور اب حیات و کائنات کی نئی تعبیر کرنے لگا تھا۔ وہ 'سندباد' کی صورت میں واپس آیا تھا۔ قصے کہانیوں، عزائم اور ایک نئی دنیا کا خواب دیکھتا ہوا:

وحشی سمندروں کے فسانے سنائوں گا

مشتاق اک جہاں کو سفر بنائوں گا
قیدی بنا کے ان کو زبان و بیان کا
منظر نگاہ سے جو چھپے ہیں دکھائوں گا
مانا سلامتی ہے کنارے پہ بحر کے
دل چسپ حادثوں کی خبر لب پہ لائوں گا
میں نے سفر کیے ہیں سمندر کے بے شمار
ان کے بیاں سے سب کے دلوں کو لبھائوں گا
سو تجربے ہیں راہ سفر میں چھپے ہوئے
میں ان کو اپنی عمر کا حاصل بنائوں گا
سو تجربے ہیں راہ سفر میں چھپے ہوئے
میں ان کو اپنی عمر کا حاصل بنائوں گا
طاری ہے اک جمود سا روح حیات پر
ہر نقشہ جمود کو یکسر مٹائوں گا

میراجی نے اس نظم میں جو کچھ کہا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ اب میں چند باتیں ''تین رنگ'' کے بارے میں کروں گا:

''تین رنگ'' میراجی کے بدلتے ہوئے شعری افق کی داستان ہے۔ وہ لمبی داستان کہ جس کے سفر میں 'لب جوئبارے' اور 'اڑان' بھی ہے اور اس تخلیقی سفر کا خاتمہ 'ارتقا'، اجنتا کے غار، اور سمندر کا بلاوا جیسی نظموں پر ہوتا ہے۔ میراجی کا یہ شعری سفر اس کے تخلیقی تجربے کی شناخت کرتا ہے۔ اس شعری سفر میں اس کی پوری ذہنی نشوونما اور اس کے ذہنی ارتقا کی کہانی موجود ہے کہ ایک انسان 'لب جوئبارے' سے کس طرح حیات وکائنات کی وسعتیں سمٹنے لگتی ہیں۔ انسانی تاریخ اس کے روز مرہ مشاہدے کا حصہ بن جاتی ہے۔ اس دنیا میں انسان کا فکری ارتقا، اس کا اہم مطالعہ بن جاتا ہے۔ وہ کیسے اس کائنات کو اپنی ذات میں سمیٹتا ہے۔ اس سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ یہ کائنات اسے ایک مسلسل حرکت میں نظر آتی ہے۔ جس سے شب وروز ایک نیا عالم اور نئے امکانات کا ظہور ہو رہا ہے اور انسانی تہذیب میں ترقی کا ایک مسلسل عمل جاری ہے۔ میراجی کے اس آخری شعری نقش میں مابعد الطبیعیاتی اور مادی سوالات کے سلسلے کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے۔ جس میں کہ شاعر گزر

رہا ہے حیات کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ دوش و فردا اور مستقبل کا فلسفہ کیا ہے؟ بقا سے کیا مراد ہے؟ فنا کیا ہے؟ عدم کا تصور کیا ہے؟ جزو کیا ہے اور کل کیا ہے؟

میرا جی اپنے اس آخری جوہر شعری میں ان سوالات کو پیش کرتا اور ان سے ایک فکری نظام مرتب کرتا ہے۔ وہ اس وسیع کائنات کے مظاہر اور موجودات سے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔ اس شعری سرمائے کا تجزیہ کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ ایک بالکل نئے تخلیقی رستے پر اپنے شعری تجربے کا سفر شروع کر رہا ہے۔ جہاں ہر قدم پر اسے ایک نئے مشاہدے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

میرا جی کے اس نئے شعری سفر میں اصول حرکت کا مطالعہ خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ وہ کائنات کو ارتقا کے نظریے سے دیکھتا ہے جہاں ہر شے جدوجہد سے آگے بڑھ رہی ہے اور بالآخر فنا اور بقا، انسانی ذات میں سمٹ جاتے ہیں کہ جسے دوام حاصل ہے۔ 'یگانگت' میں انسان اور کائنات ساتھ ساتھ ارتقا پذیر نظر آتے ہیں۔ بستی، جنگل، دریا، رستے، بادل، نباتات، پرندے، غرض تمام موجودات کو تسلسل کا جھولا قرار دیتا ہے۔ ایک ایسا جھولا جو سدا رواں دواں رہنے والا ہے، جس میں حرکت کا ایک مستقل تصور وابستہ ہے اور اس اصول حرکت سے یہ کائنات نت نئے امکانات طلوع کرتی رہتی ہے۔ میرا جی تمام موجودات کو دیکھتا ہے، ان کے وجود کے بارے میں سوال کرتا ہے اور پھر ان سے اپنی ذات کو ہم آہنگ کرتا ہے اور وہ کائنات کا حصہ نظر آتا ہے۔

مضمون کے درمیانی حصہ میں میں نے یہ کہا تھا کہ میں میرا جی کی تلاش میں نکلا ہوں مگر تلاش کا سفر لمبا ہے اور سیمینار کا وقف مختصر۔ اس لیے میں اس تلاش کو ناتمام چھوڑتا ہوں اور اب مضمون کے آخری حصہ میں پہنچ کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے میرا جی کو تلاش کر لیا ہے۔ ''تین رنگ''، ''پابند نظمیں'' اور ''سہ آتشہ'' میں وہ میرا جی دیکھا جا سکتا ہے جس کی تلاش میں میں نکلا تھا اور جس کی شعری کلیت کی طرف میں نے سطور بالا میں اپنا تجزیہ پیش کر دیا ہے۔

آخر میں اب میرا جی کی ادبی وراثت پر ایک نظر ڈالیے۔ اس ادبی وراثت میں صرف اس کی نظمیں ہی نہیں ہیں۔ ''مشرق و مغرب کے نغمے''، ''اس نظم میں''، ''نگار خانہ''، ''خیمے کے آس پاس'' اور نا جانے کیا کیا کچھ ہے۔ اس کی اصل وراثت وہ شعری روایت ہے جو اس نے اپنے دور کو عطا کی۔ اس کی ادبی وراثت کا امین حلقہ ارباب ذوق ہے، حلقہ کہ جس کی جدید شاعری کی بنیاد میرا جی کے ساتھ ساتھ مختار صدیقی، قیوم نظر، یوسف عطر، ضیا جالندھری اور دیگر شعرا نے رکھی تھی۔ سنہ ساٹھ کی نئی شاعری میرا جی کی شعری وراثت ہی کی توسیع شکل

تھی۔ گزشتہ پون صدی کی جدید شاعری پر میرا جی کا عکس کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ منیر نیازی، مجید امجد، افتخار جالب، انیس ناگی، سلیم الرحمن، زاہد ڈار، سعادت سعید اور عبد الرشید پر یہ عکس آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

عمر کے آخری دنوں میں اختر الایمان نے میرا جی کی طویل بیماریوں کے علاج کے لیے انہیں بمبئی کے کنگ ایڈورڈ میموریل ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔ ان کے Vital Signs تقریباً جواب دے چکے تھے۔ ہسپتال میں ایک پادری قریب المرگ مریضوں سے confessions کرواتا رہتا تھا۔ ایک روز اس نے میرا جی سے پوچھا تم اس حالت میں کب سے ہو؟ میرا جی نے کہا "ازل سے"۔ پادری عقل مند تھا۔ میرا جی کے confessions سن کر حیرت زدہ ہوا اور بھاگ گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ میرا جی complexes کا شکار ہیں، انہیں Psycho TherapicScocks دیے جائیں گے۔ میرا جی گھبرا گیا، اس نے کہا: میرے complexes دور ہو گئے تو میں لکھوں گا کیسے۔ وہ گوشت پوست کے انسان میرا جی کی موت کے لیے تو تیار ہو سکتا تھا مگر اپنے اندر کے تخلیقی انسان کی موت کے لیے تیار نہ تھا۔ ۳ نومبر ۱۹۴۹ء کی رات تھی، اختر الایمان کھانا کھا رہا تھا۔ ہسپتال کی طرف سے دو لفظوں کی تار ملی miraji expired :۔ اختر نے کل چار آدمیوں کی مدد سے اس کی تدوفین کی۔ منوں مٹی کے بوجھ تلے اسے سلا دیا گیا مگر میرا جی دنیا کے سامنے موجود رہا موجود ہے اور موجود رہے گا۔

میرا جی اساں مرنا ناہیں گور پیا کوئی ہور

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ مرتب میرا جی ایک مطالعہ، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ئ، ص ۹۴۔۹۳

۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۴

۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۷

۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۴۳۔۴۴۲

۵۔ میرا جی، میرا جی کی نظمیں، دلی ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۴ئ، ص ۱۵۔۱۴

۶۔ میرا جی ایک مطالعہ، ص ۱۴۸